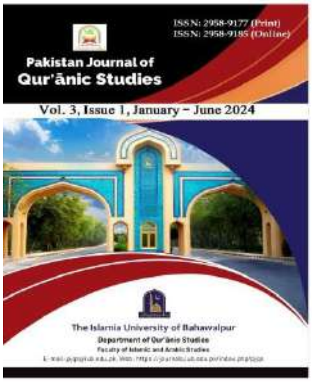

Pakistan Journal of Qur'ānic Studies

ISSN Print: 2958-9177, ISSN Online: 2958-9185
Vol. 3, Issue 1, January – June 2024, Page no. 303 - 324
HEC: https://hjrs.hec.gov.pk/index.php?r=site%2Fresult&id=1089226#journal_result
Journal homepage: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs
Issue: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/issue/view/169
Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/3744
DOI: https://doi.org/10.52461/pjqs.v3i1.3744
Publisher: Department of Qur'ānic Studies, the Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

---

Title Their Affairs Are Conducted by Mutual Consultation: A Historical and Applied Study

Author (s): **Saima Parveen**
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Govt. Sadiq College Women University, Bahawalpur.
noorulhudakhan@gmail.com
Dr. Sobia khan
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Govt. Sadiq College Women University, Bahawalpur.
sobiakousar.khan@gmail.com

Received on: 05 June, 2024
Accepted on: 15 June, 2024
Published on: 30 June, 2024

Citation: Saima Parveen, and Dr. Sobia Khan. 2024. “ وامرھم شوری بینھم: ایک تاریخی اور اطلاقی مطالعہ: Their Affairs Are Conducted by Mutual Consultation: A Historical and Applied Study”. *Pakistan Journal of Qur’ānic Studies* 3 (1):303-324. https://doi.org/10.52461/pjqs.v3i1.3744.

Publisher: The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.

All Rights Reserved © 2024 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

وامرهم شورى بينهم: ایک تاریخی اور اطلاقی مطالعہ

Their Affairs Are Conducted by Mutual Consultation: A Historical and Applied Study

Saima Parveen
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Govt. Sadiq College Women University, Bahawalpur. noorulhudakhan@gmail.com
Dr. Sobia khan
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Govt. Sadiq College Women University, Bahawalpur. sobiakousar.khan@gmail.com

Abstract
*The concept of Shura (mutual consultation) holds a significant place in Islamic governance, as emphasized in the Quranic verse, **"Wa Amruhum Shura Baynahum"** (Al-Shura: 38). This study delves into the historical foundations of Shura, tracing its application from the era of the Prophet Muhammad (PBUH) to modern governance structures. It highlights the integration of consultative decision-making in Pakistan's democratic system, where the parliamentary structure embodies elements of Shura through legislative processes. However, the study identifies challenges in the practical application of this principle, such as political instability, lack of transparency, and bureaucratic hurdles. Drawing on historical references and contemporary governance models, the research underscores the importance of strengthening consultative practices for better governance. The findings suggest that reinforcing Shura-based decision-making in Pakistan's political and administrative framework can lead to enhanced public trust, efficient policymaking, and a more just society. The study recommends institutional reforms, increased civic participation, and adherence to Islamic consultative ethics to ensure a truly representative governance system. Ultimately, adopting Shura in its true spirit can bridge the gap between Islamic principles and modern political frameworks, ensuring that governance remains transparent, accountable, and inclusive for all.*

Keywords: Consultative System, Islamic Governance Model, Democratic Consultation, Transparency and Accountability, Public Participation, Legal and Institutional Reforms.

Article Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/3744

تمہید:

اسلامی تعلیمات میں مشاورت (شوریٰ) کو ایک بنیادی اصول کے طور پر اپنایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ[1]"۔

اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

پس جو کچھ تمہیں اس دنیا میں میسر ہے، وہ محض ایک عارضی اور معمولی فائدہ ہے۔ اس کے برعکس، جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس موجود ہے، وہ اس سے بدرجہا بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ یہ نعمت ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے، اپنے رب پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں، بڑے گناہوں سے دور رہتے ہیں، کھلی بے حیائی سے بچتے ہیں، اور جب غصے میں آتے ہیں تو درگزر کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں، نماز کی پابندی کرتے ہیں، باہمی مشورے سے اپنے معاملات طے کرتے ہیں، اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جب ظلم کا سامنا کرتے ہیں تو مناسب انداز میں بدلہ بھی لیتے ہیں۔[2]

قرآن مجید میں "أمرھم شوری بینھم" کے الفاظ ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ امت مسلمہ کا امتیاز ایک ایسا اجتماعی مزاج اور معاشرتی نظام ہونا چاہیے جو مشورے کی بنیاد پر استوار ہو۔ دنیا اگر خودسری اور آمرانہ طرزِ عمل کو برا سمجھنے لگے، تو امتِ مسلمہ کو بدرجہ اولیٰ ایسے رویے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن نے "أمری" کے بجائے "أمرھم" فرمایا، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مملکت کسی ایک فرد کی جاگیر نہیں بلکہ پوری قوم کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اگر کسی کو اس عملِ مشاورت سے دانستہ طور پر الگ رکھا جائے تو گویا اس کے اس بنیادی حق کو چھین لیا گیا ہے۔ اگر حاکمِ وقت، یعنی سربراہِ مملکت، اپنی ذاتی رائے یا خواہش کو ریاستی امور پر مسلط کرتا ہے، تو یہ طرزِ عمل نہ صرف شوریٰ کی روح کے منافی ہے بلکہ آئینی تقاضوں کی بھی خلاف ورزی ہے۔ ایسی صورت میں اس کے عہدے پر برقرار رہنے کا اخلاقی و شرعی جواز باقی نہیں رہتا۔

اسلامی نظام کی بنیاد مشورے پر ہے، چاہے حکمران کو اس کی ضرورت محسوس ہو یا نہ ہو۔ عوام کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ سربراہ کی ذہانت، نیت یا خیر خواہی پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے حقِ رائے دہی اور مشاورت سے کنارہ کش ہو جائیں۔

[1] القرآن، سورۃ الشوریٰ، 42:38

[2] سورہ شوری 36-42:39 الطبری، ابن جریر، 2/ 70

کیونکہ شوریٰ صرف ایک حق نہیں بلکہ ایک اجتماعی فرض بھی ہے۔ اس لیے محض خاموشی یا تسلیم و رضا کی بنیاد پر غیر شوریٰ نظام کو اختیار کرنا یا اس پر مطمئن ہونا بھی عام مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

غور و فکر شوری کی اولین شرط:

آیت شوریٰ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ امت کے اجتماعی معاملات اور فیصلے خود امت کی مشاورت اور رائے سے طے پائیں۔ "شوریٰ" کا مفہوم صرف مشورہ تک محدود نہیں بلکہ اس میں امت کے اجتماعی شعور، تفکر اور فہم کو بروئے کار لانے کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ فیصلے امت کی بصیرت اور اجتماعی عقل کا نتیجہ ہوں۔ اس مقصد کے لیے صرف دیانتدارانہ ووٹنگ کا نظام کافی نہیں، بلکہ ایک ایسا فکری ماحول بھی پیدا کرنا ضروری ہے جس میں ہر فرد کو اظہار رائے کی مکمل آزادی حاصل ہو۔ اگر کسی وقت امت کی سوچ اور نگاہ پر چند افراد کا تسلط قائم ہو جائے، تو یہ شوریٰ کی اصل روح کے خلاف تصور کیا جائے گا۔[3]

اسلامی تصور حکومت میں شوریٰ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، جو عوام کو حکومتی و اجتماعی فیصلوں میں شریک کرنے کا موثر طریقہ مہیا کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ اس اصول کی عملی مثالوں سے بھری ہوئی ہے، جہاں مختلف مواقع پر صحابہ کرامؓ کی رائے لی گئی۔ خلفائے راشدین نے بھی شوریٰ کے اصول کو اپنی حکومت کا بنیاد بنایا، اور ریاستی سطح کے اہم فیصلے اجتماعی مشاورت سے کیے، جیسے جنگی حکمت عملی کی تشکیل، خلیفہ کا انتخاب، اور قرآن کریم کی ترتیب و تدوین۔ اس تحریر میں شوریٰ کے بنیادی نظریہ، اس کی افادیت، نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں اس کے عملی استعمال، اور جدید پارلیمانی و ریاستی اداروں میں اس کے موجودہ اطلاق پر مفصل روشنی ڈالی جائے گی۔

شوریٰ کے معنی اور تعریف:

عربی لغت میں "شوریٰ" کا مطلب مشورہ، رائے طلب کرنا، اور کسی اجتماعی معاملے میں غور و فکر کے بعد فیصلہ کرنا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں، شوریٰ ایک ایسا اجتماعی عمل ہے جس کے تحت اہم معاملات میں باہمی مشورہ کیا جاتا ہے تاکہ بہترین اور منصفانہ فیصلہ لیا جا سکے[4]۔

عربی زبان میں "شوریٰ" کا مطلب "مشورہ کرنا" یا "صلاح و مشورہ کرنا" ہے۔ یہ لفظ "شوری" سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے کسی معاملے میں باہمی گفتگو اور رائے طلب کرنا[5]۔

---

[3] اسلامی ریاست، 155

[4] لغات القرآن، امام راغب اصفہانی

امام قرطبی کے مطابق" :شوریٰ اسلامی طرزِ حکمرانی کا ایک بنیادی اصول ہے، جو کسی بھی امت کے اجتماعی نظم ونسق کو بہتر بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے[6]"۔

امام رازی لکھتے ہیں" :شوریٰ وہ نظام ہے جو حکمت، عدل اور بصیرت پر مبنی اجتماعی فیصلے کرنے میں مدد دیتا ہے اور امت کو تفرقے اور انتشار سے محفوظ رکھتا ہے[7] "۔ أمرهم شورى بينهم کی آسان اورالفاظ سے قریب ترین تفسیر یہ ہے کہ مشاورت اور مشاورت کی روشنی میں فیصلہ پوری امت کا حق ہے[8].

فقہی تعریف:

فقہاء کے مطابق شوریٰ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے کسی معاملے پر اجتماعی غور وفکر کرکے بہترین فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اسلامی فقہ میں شوریٰ کو لازم قرار دیا گیا ہے، خصوصاً اجتماعی امور میں[9]۔

أمري اور أمرهم میں فرق:

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام ملکہ سبا کے پاس پہنچا، تو اس نے اپنی مجلس کے معزز افراد سے مخاطب ہو کر کہا: "اے دربار والو! میرے معاملے میں میری رہنمائی کرو" (يا أيها الملأ أفتوني في أمري)"۔ غور کیا جائے تو اگرچہ اس نے اسے "اپنا معاملہ" کہا، لیکن درحقیقت وہ پورے ملک کا مسئلہ تھا۔ ملوکانہ طرز حکمرانی میں، خواہ وہ کتنی ہی منصفانہ ہو، مشورے کو اکثر صرف بادشاہ کی صوابدید پر منحصر کر دیا جاتا ہے۔ جب مشورہ طلب کیا بھی جائے، تو اسے حاکم کا ذاتی معاملہ ہی سمجھا جاتا ہے، اور رعایا اسی سوچ کے تحت رائے دیتی ہے۔ وہ مشورہ بھی صرف اسی وقت دیتی ہے جب اس کی طلب ہو، اور تب بھی اکثر کوشش یہی ہوتی ہے کہ حاکم وقت کی دانش پر اعتماد کر کے محض وفاداری کا اظہار کر دیا جائے۔

اسی وجہ سے، جب کسی ریاست میں مطلق العنانیت ہوتی ہے، تو وہاں "أمري" کی بنیاد پر مشورہ ہوتا ہے—یعنی مشورہ اس شخص کے ذاتی معاملے پر دیا جاتا ہے جو اقتدار میں ہے، نہ کہ اجتماعی مفاد کے لیے۔ اس نظام میں چاہے کتنی ہی بڑی غلطیاں سرزد ہوں، عوام کو اعتراض یا تنقید کی اجازت نہیں ہوتی۔ یہی طرز عمل قرآن مجید میں فرعون کی رعایا کے حوالے سے

---

[5] ابن منظور، لسان العرب، جلد4، ص402

[6] تفسیر القرطبی، جلد5

[7] تفسیر کبیر، امام رازی

[8] ابوالاعلیٰ مودودی، ۱۵۳، مرتب پروفیسر خورشید احمد، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور

[9] ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ، ص13

بھی ذکر ہوا ہے، جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں اندھی تقلید کی اور خود غور و فکر کے بجائے فرعون کے فیصلے کو اپنا فیصلہ مان لیا۔ قرآن کہتا ہے: "پس انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی، حالانکہ فرعون کا حکم راہ راست پر نہ تھا" (ہود: 97)۔

قرآن میں سورۂ شوریٰ کی آیت میں جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ اس ملوکانہ ذہنیت سے یکسر مختلف ہے۔ وہاں مشورہ کا مرکز "أمرھم" ہے، نہ کہ "أمری"۔ یعنی معاملات حاکم کے نہیں بلکہ پوری امت کے ہیں، اور ان میں ہر فرد کا مشورہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے اگر کسی فرد کو رائے دینے یا مشورہ دینے کے عمل سے باہر رکھا جائے، تو یہ اس کے بنیادی حق کی نفی ہے۔ اور اگر حاکم وقت صرف اپنی مرضی اور فہم کو حتمی سمجھے، تو وہ نہ صرف اصول حکمرانی کی خلاف ورزی کرتا ہے بلکہ اپنے عہدے کے جواز کو بھی کھو بیٹھتا ہے۔

اسلام میں شوریٰ محض ایک اختیاری عمل نہیں بلکہ ایک دینی فریضہ ہے۔ سربراہ مملکت چاہے اس کی ضرورت محسوس کرے یا نہ کرے، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ مشورہ سے کام لے۔ اسی طرح، عوام بھی اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے کہ وہ صرف حکمران کی ذہانت یا نیک نیتی پر انحصار کرتے ہوئے خود کو مشورہ سے دستبردار کر دیں۔ غیر شورائی طرز حکومت کو نہ قبول کرنا اور نہ اس پر خاموشی اختیار کرنا، امت کی دینی ذمہ داری ہے[10]۔

شوریٰ کی اہمیت:

1. قرآنی تعلیمات میں شوریٰ کی تاکید:

اسلامی تعلیمات میں شوریٰ کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے، اور قرآن مجید میں اسے اجتماعی معاملات کے فیصلے کا ایک بنیادی اصول قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

"وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ"

اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں یہ آیت واضح کرتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اجتماعی امور میں مشورہ کرنا چاہیے، تاکہ بہترین اور منصفانہ فیصلے کیے جا سکیں۔ مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بھی حکم دیا

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ[11]

[10] اسلامی ریاست، ۴۸۰

[11] سورۃ آل عمران، 3:159

"اور (اے نبی!) معاملات میں ان سے مشورہ کرو، پھر جب کسی بات کا پختہ ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسا کرو۔"

یہ آیت اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ جیسی ہستی بھی صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتی تھیں، تاکہ امت کے اجتماعی معاملات میں شفافیت اور ہم آہنگی پیدا ہو۔ شوریٰ کا یہ نظام اسلامی حکومت، عدل و انصاف اور امت کی یکجہتی کے لیے بنیادی ستون کی حیثیت رکھتا ہے، جو ہر دور میں مسلمانوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

شوریٰ کی اہمیت حدیث کی روشنی میں

شوریٰ کی اہمیت حدیث کی روشنی میں واضح ہوتی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ اہم معاملات میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا، چاہے وہ جنگی حکمتِ عملی ہو یا حکومتی امور۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "المستشار مؤتمن"

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے (لہٰذا وہ ایمانداری سے مشورہ دے)[12]"۔

إِذَا اسْتُشِيرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَشِرْ عَلَيْهِ

"جب تم میں سے کسی سے مشورہ کیا جائے تو وہ خیر خواہی سے مشورہ دے[13]"

اسی طرح غزوۂ بدر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، جس پر حضرت مقداد بن عمروؓ نے عرض کیا

"يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا لَا نَقُولُ لَكَ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسَى: اذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا، إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ، وَلَكِنِ اذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا مَعَكُمَا مُقَاتِلُونَ"

یارسول اللہ! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ "آپ اور آپ کارب جاکر لڑیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں" بلکہ ہم آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے[14]"۔

نبی کریم ﷺ نے شوریٰ کی برکت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا

"مَا خَابَ مَنِ اسْتَشَارَ"

جس نے مشورہ کیا، وہ نقصان میں نہ رہا[15]

---

12 صحیح بخاری، کتاب المغازی

13 سنن ابن ماجہ، حدیث: 3745 سیرت ابن ہشام

14 سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: 3745، کتاب الأدب، باب المستشار مؤتمن، تاریخ الخلفاء، امام سیوطی

یہ احادیث ثابت کرتی ہیں کہ شوریٰ ایک اسلامی اصول ہے جو ہر اہم معاملے میں خیر و برکت، اتحاد اور درست فیصلے کا ذریعہ بنتا ہے۔

استخارہ کی اہمیت:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ سے خیر طلب کرے (استخارہ کرے)، وہ ناکامی سے دوچار نہیں ہوتا، اور جو کسی معاملے میں مشورہ کرتا ہے، اسے بعد میں پشیمانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے اہم اور فیصلہ کن معاملات میں مشورہ کرنا نہ صرف سنتِ نبوی ہے بلکہ عقل و فہم کا تقاضا بھی ہے۔ مشورہ کرنا یقیناً بہتر اور پسندیدہ عمل ہے، مگر یہ شریعت میں فرض یا واجب کے درجے میں نہیں آتا۔ اگر کوئی شخص کسی معاملے کو بغیر مشورے کے انجام دے دے تو اس پر گناہ لازم نہیں آتا۔

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الاِسْتِخَارَةَ فِي الأُمُورِ كُلِّهَا، كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ القُرْآنِ، يَقُولُ: "إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالأَمْرِ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الفَرِيضَةِ، ثُمَّ لِيَقُلْ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ العَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلاَ أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلاَ أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي، أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ، فَاقْدُرْهُ لِي، وَيَسِّرْهُ لِي، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي، أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ، فَاصْرِفْهُ عَنِّي، وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ أَرْضِنِي."

نبی کریم ﷺ صحابۂ کرامؓ کو استخارہ کی تعلیم اتنے اہتمام سے دیتے جیسے قرآن مجید کی کوئی سورت سکھاتے ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام درپیش ہو، تو وہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت نفل ادا کرے، پھر یوں دعا کرے: اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کے واسطے بھلائی کا طلبگار ہوں، تیری قدرت کے وسیلے سے طاقت مانگتا ہوں، اور تیرے بے پایاں فضل کا طالب ہوں۔ کیونکہ تو سب کچھ جانتا ہے، جبکہ میں کچھ نہیں جانتا، تو سب پر قدرت رکھتا ہے اور میں بے بس ہوں، اور تو ہی ہے جو پوشیدہ باتوں سے باخبر ہے۔ اے پروردگار! اگر یہ معاملہ، جس کا میں ارادہ رکھتا ہوں، میرے دین، دنیاوی زندگی اور انجام کے لیے بہتر ہے، تو اسے میرے لیے مقدر فرما، اسے آسانی کے ساتھ پورا کر، اور اس میں

15 صحیح بخاری، حدیث:3952الفاروق، شبلی نعمانی

برکت عطا فرما۔ اور اگر یہ کام میرے دین، دنیا یا انجام کے لحاظ سے نقصان دہ ہے، تو اسے مجھ سے دور کر دے، اور مجھے اس سے الگ فرما دے۔ پھر جہاں کہیں بھی بھلائی ہو، میرے لیے اسے مقدر فرما دے، اور میرے دل کو اس پر مطمئن کر دے۔"[16]

2. نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں شوریٰ کا اطلاق:

شوریٰ کی اہمیت اسلام میں بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے، جو اجتماعی معاملات میں مشورہ اور رائے شماری کو لازمی قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" (اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں)، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی نظام حکومت اور اجتماعی فیصلوں میں مشاورت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی اہم امور میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتے تھے، جیسے کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کے مواقع پر۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اپنے کسی بھائی سے مشورہ کرے تو وہ اسے خیر خواہی سے مشورہ دے" (سنن ابن ماجہ، حدیث: 3745)، جو اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ مشورہ نہ صرف حکومتی بلکہ ذاتی اور اجتماعی زندگی کے لیے بھی ضروری ہے۔ فقہاء کے نزدیک شوریٰ اسلامی حکمرانی اور عدل و انصاف کا بنیادی ستون ہے (ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ، ص 13)، جو امت کی بھلائی اور بہتری کے لیے ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ شوریٰ کے اصول کو اپنایا اور اہم فیصلوں میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔

غزوہ بدر:

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ مشورے کرنے والا پایا۔ آپ ﷺ ہر اہم اور سنجیدہ معاملے میں اپنے اصحابؓ سے رائے طلب فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر، جب جنگ بدر کا مرحلہ اختتام کو پہنچا، تو آپ ﷺ نے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا کہ آیا انہیں فدیہ لے کر چھوڑا جائے یا قتل کیا جائے۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر آپ ﷺ نے یہ بات صحابہؓ کے مشورے پر رکھی کہ دفاعی حکمت عملی مدینہ کے اندر سے اپنائی جائے یا دشمن کے مقابلے کے لیے باہر نکلا جائے۔ اکثریت کی رائے باہر جانے کی تھی، اور آپ ﷺ نے اس کو تسلیم فرمایا۔ غزوۂ خندق کے موقع پر جب ایک مخصوص معاہدے کے تحت صلح کی تجویز سامنے آئی، تو حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے اس سے اختلاف کیا، اور نبی اکرم ﷺ نے ان کی رائے کو ترجیح دی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا، اور حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا۔ اسی طرح واقعۂ افک کے حساس موقع پر بھی صحابہ کرامؓ کی آراء طلب کی گئیں۔ حتیٰ کہ اذان جیسے عبادت کے اہم پہلو پر بھی رائے لی گئی کہ نماز کی اطلاع دینے کا کون سا طریقہ بہتر ہو گا۔ یہ

[16] مسند احمد، حدیث: 23092 البدایہ والنہایہ، ابن کثیر

تمام مثالیں اس امر کی گواہ ہیں کہ جن معاملات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست کوئی وحی نازل نہ ہوتی، وہاں آپ ﷺ اپنے صحابہؓ سے مشورہ لیناضروری سمجھتے تھے۔[17]

غزوہ احد:

غزوۂ اُحد اسلامی تاریخ کے نمایاں اور سبق آموز واقعات میں سے ایک ہے، جو 3 ہجری بمطابق 625 عیسوی میں مدینہ کے قریب اُحد پہاڑ کے دامن میں پیش آیا۔ یہ معرکہ دراصل قریش کی جانب سے جنگِ بدر میں اپنی شکست کا بدلہ لینے کی کوشش تھی، جس کے لیے وہ تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس موقع پر اپنے صحابہ کرامؓ سے رائے طلب فرمائی، اور اکثریت کی تجویز کو اپناتے ہوئے شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔[18]

ابتدائی جھڑپ میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی، لیکن تیر اندازوں کی ایک اہم کوتاہی—جو جبل رماۃ پر متعین تھے—نے جنگ کا رخ بدل دیا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی ہدایت کے باوجود اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہوگئے، جس کا فائدہ قریش کے سردار خالد بن ولید (جو اُس وقت تک دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے) نے اٹھایا، اور عقب سے مسلمانوں پر بھرپور حملہ کر دیا۔ نتیجتاً مسلمانوں کو بھاری جانی نقصان برداشت کرنا پڑا، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ بھی زخمی ہوئے، اور حضرت حمزہؓ سمیت ستر جاں نثار صحابہ شہید ہوئے۔[19]

یہ معرکہ صرف ایک عسکری امتحان ہی نہ تھا بلکہ اس میں امت کو اطاعت، صبر، اور مشورے کی اہمیت کا عملی سبق دیا گیا۔ اسی موقع پر قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ: "اے نبی! یہ اللہ کا فضل ہے کہ تم ان کے لیے نرم خو ہو، اگر تم سخت دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد سے چھٹ جاتے۔ پس انہیں معاف کر دو، ان کے لیے مغفرت طلب کرو، اور ہر معاملے میں ان سے مشورہ لیا کرو[20]۔

[17] صحیح بخاری، حدیث نمبر:1166 الفتوحات الاسلامیہ، امام واقدی

[18] تفسیر کبیر، امام رازی الصحیح لمسلم، کتاب الجہاد

[19] صحیح بخاری، حدیث:4073

[20] سیرت النبی، ابن سعد

غزوہ خندق:

غزوۂ خندق کے دوران ایک موقع پر ایک خاص معاہدے کے تحت صلح کا امکان پیدا ہوا، لیکن حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے اس صلح کو غیر مناسب قرار دیا اور اپنی مخالفت کا اظہار کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے ان دونوں بزرگ صحابہ کی رائے کو اہمیت دی اور ان کی بات کو تسلیم فرمایا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی نبی کریم ﷺ نے مشورہ طلب کیا، جس میں حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا گیا۔ واقعۂ افک کے موقع پر بھی حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے رائے لی۔

اسی طرح اذان سے متعلق جب یہ سوال پیدا ہوا کہ نماز کی اطلاع کا کون سا طریقہ اختیار کیا جائے، تو آپ ﷺ نے اس پر بھی صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ اس طرح کے کئی واقعات موجود ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ جن معاملات میں وحی کی روشنی میں براہِ راست رہنمائی نہ آتی، ان میں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ سے مشورہ لے کر ہی کوئی فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔[21]

واقعہ افک:

اس کی ایک جیتی جاگتی مثال واقعۂ افک ہے، جب حضرت عائشہؓ پر الزام تراشی کی گئی تو رسول اکرم ﷺ نے اس نازک گھریلو مسئلے میں اُن افراد سے رائے لی جو آپ کے خانگی معاملات سے بخوبی واقف تھے، جیسے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ۔ اسی طرح جب یہ قرآنی آیت نازل ہوئی:

"یا ایہا النبی قل لأزواجک إن کنتن تردن الحیاۃ الدنیا وزینتہا فتعالین اُمتعکن واُسرحکن سراحاً جمیلًا"

(ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دیں کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش کی طلبگار ہو، تو آؤ، میں تمہیں کچھ دے کر اچھے انداز سے رخصت کر دوں)۔[22]

تو جب اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہؓ کی براءت نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلایا اور فرمایا: ''اے عائشہ! اللہ نے تمہاری پاکدامنی کی تصدیق فرمائی ہے۔'' اس پر حضرت عائشہؓ کی والدہ نے ان سے کہا: ''اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکر ادا کرو۔'' حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: ''نہیں، میں صرف اللہ کا شکر ادا کروں گی۔'' اس کے بعد رسول

---

[21] فقہ السیرۃ، امام غزالی

[22] الاحزاب:28

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے والدین سے مشورہ کر لو، پھر جواب دینا۔“ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: ”مجھے کسی مشورے کی ضرورت نہیں، میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی اختیار کرتی ہوں۔“[23]

حضرت عائشہؓ ہی کا قول ہے کہ: ”میں نے کسی کو بھی رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشورہ کرنے والا نہیں پایا۔“ (جامع ترمذی)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص مشورہ کرتا ہے، وہ حق سے محروم نہیں ہوتا، اور جو اپنی رائے پر اکتفا کرتا ہے، وہ خود پسندی کا شکار ہو کر ناکامی سے دوچار ہوتا ہے۔“ (قرطبی)

خلفائے راشدین میں شوریٰ کا نظام:

قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ بات بخوبی سمجھ آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ صرف اہم معاملات میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیتے تھے بلکہ ان کی آراء کو عملاً اختیار بھی فرماتے تھے۔ جب آپ ﷺ کے بعد خلافت کا زمانہ شروع ہوا تو صحابہؓ کے سامنے ایک طرف نبی کریم ﷺ کا عملی نمونہ موجود تھا، اور دوسری جانب قرآن و حدیث کی رہنمائی۔ انہی دو مضبوط بنیادوں پر ان حضرات نے اپنی حکمرانی کا نظام قائم کیا اور قانون سازی کے اصول وضع کیے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں روایت ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی مسئلہ آتا تو سب سے پہلے قرآن مجید سے اس کا حل تلاش کرتے۔ اگر وہاں سے رہنمائی نہ ملتی تو سنتِ نبوی ﷺ کی طرف رجوع کرتے۔ اور جب سنت میں بھی کوئی واضح ہدایت موجود نہ ہوتی تو اس وقت وہ اہلِ رائے اور جلیل القدر مسلمانوں کو مشورے کے لیے جمع کرتے، اور جب ان کی آراء کسی ایک نقطے پر متفق ہو جاتیں، تو اسی بنیاد پر فیصلہ صادر فرماتے۔

یہی طریقہ کار حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے بھی اپنایا۔ وہ پہلے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے، پھر حضرت ابو بکرؓ کے ان فیصلوں پر نگاہ ڈالتے جو مشورے سے طے پاتے تھے، اور اگر کوئی نظیر نہ ملتی تو اسی مشاورتی اسلوب کو اپنا کر فیصلہ کرتے۔[24]

1. خلیفہ کے انتخاب میں مشورہ:

اہلِ ایمان کو قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اہم معاملات میں باہمی مشورے کو بنیاد بنائیں۔ یہ اصول صرف عمومی امور تک محدود نہیں، بلکہ سیاسی معاملات، خصوصاً قیادت کے تعین جیسے نازک مسئلے پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد خلافت کے لیے کسی فرد کو نامزد نہیں فرمایا بلکہ یہ معاملہ امت کے مشورے پر چھوڑ دیا۔

[23] صحیح بخاری، حدیث نمبر: 4748

[24] https://mazameen.com/?p=27292

اس کا عملی مظاہرہ اُس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اہلِ حل و عقد نے باہمی مشاورت سے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا، لیکن تاریخی روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اُنہوں نے یہ قدم تنہا نہیں اٹھایا بلکہ معتبر صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ اگرچہ بعض صحابہ کو ابتدائی طور پر کچھ تردد تھا، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے انھیں اعتماد میں لے کر راضی کیا۔ روایت ہے کہ اپنی وفات کے وقت حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ میرا وقت قریب ہے، تم میں سے جسے چاہو، اپنا سربراہ چن لو۔ اگر یہ فیصلہ میری زندگی میں ہی ہو جائے تو تم اختلاف سے بچ جاؤ گے۔ جب صحابہ کسی حتمی رائے پر نہ پہنچ سکے تو اُنہوں نے حضرت ابو بکرؓ ہی کی رائے کو ترجیح دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے وقت مانگا اور مشاورت کے بعد حضرت عمرؓ کا نام تجویز کیا، جسے ایک تحریری معاہدے کی شکل میں محفوظ کیا گیا۔ اس طرح یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کا تقرر ایک فرد واحد کا ذاتی فیصلہ نہ تھا، بلکہ صحابہ کرامؓ کی اجتماعی رائے اور مشورے کا نتیجہ تھا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کا انتخاب اُس شوریٰ کے ذریعے عمل میں آیا جسے حضرت عمرؓ نے خود تشکیل دیا تھا اور جس پر امت کا اعتماد تھا۔ اگر حضرت عمرؓ اس شوریٰ کو مقرر نہ بھی کرتے، تو یہی افراد قیادت کے لیے موزوں تصور کیے جاتے۔ حضرت علیؓ کی خلافت بھی اہلِ مدینہ کے فیصلے سے عمل میں آئی، جو اُس وقت سیاسی و سماجی طور پر بااختیار اور بااثر افراد پر مشتمل تھے۔ ان تمام مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی قیادت کے انتخاب کے لیے شوریٰ کا نظام ناگزیر ہے۔ اگرچہ اسلام نے شوریٰ کی کوئی خاص شکل تجویز نہیں کی، لیکن اس کے اصول ضرور متعین کیے ہیں، جن میں مشورہ، اتفاقِ رائے، اور اربابِ حل و عقد کی شمولیت لازم ہے۔ حضرت عمرؓ کا مشہور قول اس اصول کی تائید کرتا ہے:

"جس نے مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی سے بیعت کی، اس کی بیعت معتبر نہیں ہوگی"۔[25]

علامہ ابنِ اثیر کی تشریح کے مطابق، بیعت اسی وقت قابلِ قبول ہوگی جب قوم کے معزز اور ذمے دار افراد مشورہ کر کے اس پر متفق ہوں۔ بصورتِ دیگر، اس طرح کی بیعت ایک سنگین غلطی کے زمرے میں آتی ہے۔ چونکہ خلیفہ کا چناؤ اسلامی ریاست کی بنیاد ہے، لہٰذا دوسرے تمام اہم حکومتی امور پر بھی یہی اصول لاگو ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کی حیات مبارکہ اس بات کی گواہ ہے کہ وہ ہر بڑے فیصلے سے پہلے اربابِ حل و عقد سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔[26]

.2 قرآن مجید کی تدوین میں شوریٰ کا کردار:

---

[25] اسلامی ریاست، 480

[26] ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ، ص13

قرآن مجید کی تدوین میں شوریٰ کا کردار نہایت اہم رہا ہے، خصوصاً خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں۔ جنگ یمامہ میں کئی حفاظ قرآن کی شہادت کے بعد حضرت عمرؓ نے قرآن کو تحریری شکل میں جمع کرنے کی تجویز دی، جسے حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کی مشاورت سے قبول کیا۔ اس اہم کام کے لیے حضرت زید بن ثابتؓ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس نے مکمل احتیاط اور صحابہ کی گواہیوں کی روشنی میں قرآن کو مدون کیا۔ بعد ازاں، حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں امت میں یکسانیت برقرار رکھنے کے لیے مزید مشاورت کے بعد قرآن کی نقول تیار کی گئیں اور مختلف علاقوں میں بھیجی گئیں۔ یہ سارا عمل شوریٰ کے مشورے اور اجتماعی فیصلے کے تحت انجام پایا، جس سے قرآن کی حفاظت اور اس کے متن کی یکسانیت یقینی بنائی گئی۔[27]

.مشورہ لینے اور دینے والے کے اوصاف

مشورہ لینا اور دینا اسلامی تعلیمات میں ایک اہم اصول ہے، جس کے لیے مشیر اور مشورہ لینے والے دونوں میں خاص اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ مشورہ دینے والے کو دیانتدار، صاحبِ علم، صاحبِ تجربہ اور نیک نیت ہونا چاہیے تاکہ وہ ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر درست رہنمائی فراہم کر سکے۔ اسی طرح، مشورہ لینے والے کو وسعتِ ظرف، حقیقت پسندی اور مشورے پر عمل کرنے کا جذبہ رکھنا چاہیے۔ قرآن مجید میں بھی شوریٰ کی اہمیت بیان کی گئی ہے: "اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں" (الشوریٰ:38)۔ نبی کریم ﷺ نے بھی مشاورت کو اپنانے کی تاکید کی اور فرمایا: "جس نے استخارہ کیا وہ نامراد نہیں ہوا، اور جس نے مشورہ کیا وہ نادم نہیں ہوا[28]"۔ لہٰذا، ایک اچھے مشیر اور مستشیر (مشورہ لینے والے) کو اخلاص، تقویٰ اور حکمت سے کام لینا چاہیے تاکہ بہترین فیصلے ممکن ہوں[29]۔

.2شوریٰ کے مقاصد

شوریٰ کے بنیادی مقاصد میں باہمی مشاورت کے ذریعے درست اور منصفانہ فیصلے کرنا، امت میں اتحاد و یکجہتی قائم رکھنا، قیادت کو عوامی رائے سے ہم آہنگ کرنا اور معاملات میں عدل و حکمت کو فروغ دینا شامل ہیں۔ شوریٰ کا نظام اسلامی اصولوں پر مبنی ہے، جس کا مقصد ذاتی مفادات کے بجائے اجتماعی فلاح و بہبود کو یقینی بنانا ہے۔ قرآن مجید میں شوریٰ کی اہمیت کو

---

[27] ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد9، صفحہ 18-20

[28] مسند احمد، حدیث:1731

[29] امام غزالی، احیاء علوم الدین، جلد2, صفحہ 328

واضح کرتے ہوئے فرمایا گیا: "اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں" (الشوریٰ:38)۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی ہر اہم معاملے میں صحابہ سے مشورہ فرمایا، جیسا کہ غزوہ بدر اور صلح حدیبیہ کے مواقع پر دیکھنے کو ملا۔ اسلامی تاریخ میں خلفائے راشدین نے بھی شوریٰ کے اصول کو اپنایا تاکہ حکمرانی میں عدل، مساوات اور شفافیت کو برقرار رکھا جاسکے۔[30]

عدل وانصاف کی فراہمی:

شوریٰ کا ایک اہم مقصد عدل وانصاف کو فروغ دینا ہے تاکہ حکومتی وسماجی فیصلے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر اجتماعی فلاح کے مطابق کیے جائیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق، شوریٰ کا نظام اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ حکمران اور مشیران کسی بھی فیصلے میں انصاف، دیانت اور حق گوئی کو مقدم رکھیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: "بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو[31]"۔ نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے بھی شوریٰ کے ذریعے عدل وانصاف پر مبنی فیصلے کیے[32]، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے قاضیوں کو ہدایت دی کہ وہ بغیر کسی دباؤ کے حق کے مطابق فیصلہ کریں۔ لہٰذا، شوریٰ کا بنیادی مقصد انصاف کے اصولوں کو مضبوط کرنا اور معاشرے میں مساوات کو یقینی بنانا ہے[33]۔

بہترین اجتماعی فیصلے تک پہنچنا:

شوریٰ کا ایک بنیادی مقصد بہترین اجتماعی فیصلے تک پہنچنا ہے، تاکہ حکمت، تجربے اور علم کی روشنی میں ایسے فیصلے کیے جائیں جو سب کے لیے فائدہ مند ہوں۔ اجتماعی مشاورت سے لیے گئے فیصلے انفرادی آراء کے مقابلے میں زیادہ متوازن، دانشمندانہ اور دیرپا ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں مختلف زاویوں سے غور وفکر شامل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "اور (مسلمانوں کا) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے" (الشوریٰ:38)، جو اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ اجتماعی مشورہ کامیابی کا ذریعہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اہم امور میں صحابہ سے مشورہ فرمایا، جیسے غزوہ بدر اور صلح حدیبیہ کے مواقع پر، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشاورت کے ذریعے بہتر فیصلے کیے جاسکتے ہیں۔ خلفائے راشدین نے بھی شوریٰ کے اصولوں کو اپنایا تاکہ امت میں اتحاد اور اجتماعی بھلائی کو یقینی بنایا جاسکے[34]۔

---

[30] ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، صفحہ 345

[31] القرآن، سورۃ النساء، آیت 58

[32] صحیح مسلم، حدیث:1713

[33] ابن تیمیہ، السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية، صفحہ 2

[34] صحیح بخاری، حدیث:6830

حکمرانی میں شفافیت کا فروغ:

شوریٰ کا ایک اہم مقصد حکمرانی میں شفافیت کو فروغ دینا ہے، تاکہ حکمران اور عوام کے درمیان اعتماد قائم رہے اور حکومتی فیصلے انصاف، دیانت اور جوابدہی کے اصولوں پر مبنی ہوں۔ اسلامی طرز حکمرانی میں شوریٰ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ یہ حکمران کو خودرائی سے بچاتی ہے اور اسے عوامی مفادات کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند بناتی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: "اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو" (النساء:58)، جو شفاف اور منصفانہ حکمرانی کی بنیاد ہے۔ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین نے بھی حکومتی معاملات میں شفافیت کو یقینی بنانے کے لیے عوام سے مشورہ کیا اور ہر فیصلے کی وضاحت فراہم کی، جیسا کہ حضرت عمرؓ کھلے عام عوام کو اپنے فیصلوں پر رائے دینے کا موقع دیتے تھے[35]۔ اس طرح، شوریٰ کے ذریعے ایسی قیادت کو فروغ دیا جاتا ہے جو امانت دار، دیانت دار اور عوام کے سامنے جوابدہ ہو۔

موجودہ دور میں شوریٰ کی اہمیت:

پاکستان کا ایوانِ بالا، ایوانِ زیریں اور شورائی طریقہ کار:

پاکستان ایک جمہوری ریاست ہے جہاں حکومت کا نظام پارلیمانی طرز کا ہے۔ پارلیمانی نظام میں دو ایوانی مقننہ (Bicameral Legislature) کا تصور موجود ہوتا ہے، جہاں ایوانِ زیریں (قومی اسمبلی) اور ایوانِ بالا (سینیٹ) قانون سازی کے عمل میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ دونوں ایوان نہ صرف ملکی پالیسیوں کی تشکیل میں کردار ادا کرتے ہیں بلکہ شورائی نظام کے تحت حکومتی معاملات میں مشاورت اور رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اس مضمون میں پاکستان کے ایوانِ بالا، ایوانِ زیریں اور ان کے شورائی طریقہ کار پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔

ایوانِ زیریں (قومی اسمبلی):

قومی اسمبلی پاکستان کی سب سے اہم مقننہ ہے جو عوام کے ووٹوں سے براہ راست منتخب ہونے والے نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

---

[35] مسند احمد حدیث نمبر:207

خصوصیات:

1. **اراکین کی تعداد :** قومی اسمبلی کے کل 336 اراکین ہوتے ہیں، جن میں سے 272 عام نشستوں پر براہ راست انتخابات کے ذریعے منتخب کیے جاتے ہیں، 60 نشستیں خواتین کے لیے مخصوص ہیں، اور 10 نشستیں غیر مسلموں کے لیے مختص کی گئی ہیں[36]
2. **مدت :** قومی اسمبلی کی مدت 5 سال ہوتی ہے، تاہم صدر مملکت کی سفارش پر اسے تحلیل کیا جا سکتا ہے۔[37]
3. **وزیر اعظم کا انتخاب :** قومی اسمبلی کے اراکین کی اکثریتی رائے سے وزیر اعظم منتخب کیا جاتا ہے، جو کابینہ تشکیل دے کر حکومت چلاتا ہے۔[38]
4. **مالیاتی بل کا اختیار :** آئین پاکستان کے مطابق بجٹ اور مالیاتی بل قومی اسمبلی میں ہی پیش کیا جاتا ہے اور سینیٹ اس پر نظر ثانی کر سکتا ہے لیکن اسے مسترد نہیں کر سکتا۔[39]

ایوانِ بالا (سینیٹ):

سینیٹ پاکستان کا مستقل ایوان ہے، جو وفاق کی نمائندگی کو یقینی بناتا ہے۔ اس ایوان میں تمام صوبوں کو مساوی نمائندگی دی گئی ہے تاکہ کسی بھی اکائی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

خصوصیات:

1. **اراکین کی تعداد :** سینیٹ میں کل 100 اراکین ہوتے ہیں، جو قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کے ذریعے منتخب کیے جاتے ہیں۔[40]
2. **مدت :** سینیٹ کے اراکین کی مدت 6 سال ہوتی ہے، اور ہر 3 سال بعد نصف اراکین ریٹائر ہوتے ہیں تاکہ ایوان کا تسلسل برقرار رہے۔[41]
3. **قانون سازی میں کردار :** سینیٹ کسی بھی بل کو پیش، ترمیم یا منظوری دے سکتا ہے، سوائے مالیاتی بل کے۔[42]

---

[36] آئین پاکستان 1973، دفعہ 51

[37] آئین پاکستان 1973، دفعہ 58

[38] آئین پاکستان 1973، دفعہ 91

[39] آئین پاکستان 1973، دفعہ 73

[40] آئین پاکستان 1973، دفعہ 59

[41] آئین پاکستان 1973، دفعہ 59(3)

4. **وزیر اعظم کی برطرفی کا اختیار نہیں :** سینیٹ وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش نہیں کر سکتا۔[43]

شورائی طریقہ کار اور قانون سازی:

پاکستان میں قانون سازی ایک منظم شورائی طریقہ کار کے تحت کی جاتی ہے، جس میں دونوں ایوان اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

قانون سازی کے مراحل:

1. **بل کی پیشکش :** کوئی بھی بل قومی اسمبلی یا سینیٹ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔[44]
2. **بحث و منظوری :** دونوں ایوانوں میں بل پر بحث ہوتی ہے، ترامیم دی جاتی ہیں، اور منظوری کے بعد دوسرے ایوان میں بھیجا جاتا ہے۔[45]
3. **صدرِ مملکت کی منظوری :** دونوں ایوانوں کی منظوری کے بعد بل صدرِ مملکت کو بھیجا جاتا ہے، جو اس پر دستخط کر کے اسے قانون بنا دیتے ہیں۔[46]
4. **نفاذ :** قانون بننے کے بعد اس کا نفاذ تمام ریاستی ادارے اور عوام پر لازم ہو جاتا ہے۔[47]

پاکستان میں جمہوری شورائی نظام کے تحت پارلیمنٹ کا کردار نہایت اہم ہے۔ قومی اسمبلی براہ راست عوامی نمائندگی فراہم کرتی ہے، جبکہ سینیٹ تمام وفاقی اکائیوں کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ دونوں ایوان مل کر قانون سازی کے عمل کو مکمل کرتے ہیں، جس سے ملک میں آئینی اور جمہوری روایات کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

عصرِ حاضر میں شورائی نظام کا اطلاق پاکستان میں:

شورائی نظام (Consultative System) ایک اسلامی اور جمہوری اصول ہے جس کے تحت اجتماعی مشاورت سے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ پاکستان میں آئینی، سیاسی، اور سماجی سطح پر شورائی نظام کو اپنانے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم اس کے

---

[42] آئینِ پاکستان 1973، دفعہ 70

[43] آئینِ پاکستان 1973، دفعہ 95

[44] آئینِ پاکستان 1973، دفعہ 70

[45] آئینِ پاکستان 1973، دفعہ 71

[46] آئینِ پاکستان 1973، دفعہ 75

[47] آئینِ پاکستان 1973، دفعہ 76

عملی اطلاق میں کئی چیلنجز درپیش ہیں۔ اس مضمون میں پاکستان میں شورائی نظام کے عملی اطلاق، اس کی اہمیت، چیلنجز اور ممکنہ حل پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔

شورائی نظام کا اسلامی اور آئینی پس منظر:

1. **اسلام میں شورائی نظام :** قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" :اور ان کا معاملہ باہمی مشورے سے ہوتا ہے۔ " الشوریٰ:38۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مشاورت اسلامی طرزِ حکمرانی کا بنیادی جزہے۔

2. **پاکستانی آئین میں شورائی اصول :** آئینِ پاکستان 1973 کی دفعہ 227 میں اسلامی اصولوں کے مطابق حکمرانی پر زور دیا گیاہے، جس میں مشاورت (شوریٰ) کو ایک اہم عنصر کے طور پر شامل کیا گیاہے۔[48]

3. **پاکستان میں شورائی نظام کا عملی اطلاق:**

1. **پارلیمانی نظام میں مشاورت :** پاکستان کا پارلیمانی نظام ایک جمہوری شورائی نظام کی مثال ہے، جہاں قومی اسمبلی اور سینیٹ میں مشاورت کے ذریعے قانون سازی کی جاتی ہے۔[49]

2. **وفاقی کابینہ :** حکومت کی پالیسیوں اور فیصلوں کے لیے وزراء کی کابینہ مشاورت کرتی ہے، جو شورائی نظام کا عملی اظہار ہے۔[50]

3. **بلدیاتی نظام:** 2001 اور 2013 کے بلدیاتی قوانین میں عوامی مشاورت کو یقینی بنانے کے لیے مقامی حکومتوں کو اختیارات دیے گئے۔[51]

4. **عدلیہ اور شورائی عمل :** عدالتیں آئینی معاملات میں پارلیمنٹ اور حکومت کو مشورے دیتی ہیں، جو ایک شورائی عمل کا حصہ ہے۔[52]

شورائی نظام کو درپیش چیلنجز:

1. **مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں عدم ہم آہنگی :** وفاق اور صوبوں کے درمیان پالیسی سازی میں ہم آہنگی کا فقدان شورائی عمل کو متاثر کرتا ہے۔[53]

---

[48] 8آئینِ پاکستان 1973، دفعہ 227

[49] آئینِ پاکستان 1973، دفعہ 50

[50] آئینِ پاکستان 1973، دفعہ 90

[51] بلدیاتی حکومت ایکٹ 2001

[52] آئینِ پاکستان 1973، دفعہ 175

2. **سیاسی مداخلت :** اکثر مشاورتی فیصلے سیاسی مفادات کی نظر ہو جاتے ہیں، جس سے شفافیت کمزور پڑتی ہے۔[54]
3. **بلدیاتی اداروں کی غیر فعالی :** مقامی سطح پر مشاورتی نظام کی مکمل فعالیت میں رکاوٹیں ہیں۔[55]
4. **عوامی رائے کی کم شمولیت :** شورائی نظام میں عوام کی براہ راست شمولیت کمزور ہے، جسے مزید موثر بنانے کی ضرورت ہے۔[56]

شورائی نظام کے موثر اطلاق کے لیے تجاویز:

1. **قانون سازی میں عوامی شمولیت :** پارلیمانی امور میں عام شہریوں کی تجاویز کو شامل کرنے کے لیے جدید ڈیجیٹل پلیٹ فارمز استعمال کیے جائیں۔[57]
2. **بلدیاتی حکومتوں کو مستحکم بنانا :** مقامی سطح پر عوامی مشاورت کو موثر بنانے کے لیے بلدیاتی حکومتوں کو بااختیار بنایا جائے۔[58]
3. **بین الصوبائی تعاون :** قومی اور صوبائی سطح پر پالیسی سازی میں مشاورت کے لیے موثر فورمز تشکیل دیے جائیں۔[59]
4. **شفافیت اور احتساب :** شورائی نظام کو مزید شفاف بنانے کے لیے احتسابی نظام کو مضبوط کیا جائے۔[60]

پاکستان میں شورائی نظام کے اصولوں کا اطلاق کئی سطحوں پر موجود ہے، لیکن عملی چیلنجز کی وجہ سے اس کی مکمل فعالیت میں رکاوٹیں ہیں۔ اگر مشاورت کو شفاف، منصفانہ، اور موثر بنایا جائے تو یہ نظام ملک کی جمہوری اور اسلامی اقدار کو مضبوط کر سکتا ہے۔

---

[53] قومی مالیاتی کمیشن (NFC) رپورٹ 2021
[54] پارلیمانی تحقیقاتی رپورٹ 2020
[55] بلدیاتی نظام کی تجزیاتی رپورٹ 2018
[56] پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ رپورٹ 2019
[57] ڈیجیٹل گورننس فریم ورک 2022
[58] لوکل گورنمنٹ ایکٹ 2013
[59] مشترکہ مفادات کونسل (CCI) رپورٹ 2020
[60] شفافیت اور احتساب کمیشن رپورٹ 2021

شریعت کی حکمت:

اسلام کے احکام کسی مخصوص جغرافیے یا زمانے کے لیے محدود نہیں کیے گئے، بلکہ یہ تمام زمانوں اور دنیا کے ہر معاشرے کے لیے یکساں قابلِ عمل اور رہنما اصول فراہم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شوریٰ کا نظام وقت کے تقاضوں اور معاشرتی حالات کے مطابق منظم کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس کی روح اور بنیادی اصول برقرار رکھے جائیں۔

اس ضمن میں ایک اہم سوال یہ بھی سامنے آتا ہے کہ کیا ریاست کا سربراہ ہر مسئلے میں اہلِ مشورہ کی رائے کا پابند ہو گا؟ ہماری رائے میں، وہ معاملات جو ملکی پالیسی کی بنیاد کو تشکیل دیتے ہیں، ان میں سربراہِ مملکت پر لازم ہے کہ وہ اہلِ رائے کی مشاورت کو قبول کرے۔ ان امور میں انفرادی فیصلے مناسب نہیں۔ البتہ وہ مسائل جو نسبتاً جزوی یا تفصیلی نوعیت کے ہوں، اُن میں مشورہ لینا ضرور مفید ہے، مگر سربراہ کے لیے لازم نہیں کہ وہ ان تمام آراء کا پابند ہو۔

اسلامی طرزِ حکومت میں قیادت کے لیے اہلیت کے اصول، تقرری کا طریقہ کار، اور اہلِ حل و عقد کا کردار واضح اور نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ امیر یا خلیفہ کے لیے دیانت، صلاحیت اور مشاورت پسندی جیسی خصوصیات بنیادی شرائط میں شامل ہیں۔ آج کے جدید دور میں بھی ان اصولوں کی افادیت برقرار ہے۔ البتہ موجودہ حالات اور ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے، ان اصولوں پر عمل درآمد کے طریقہ کار میں تبدیلی کی گنجائش موجود ہے، بشرطیکہ شریعت کے بنیادی تقاضے متاثر نہ ہوں۔

حاصل کلام

اصولِ شوریٰ (باہمی مشاورت) اسلامی طرزِ حکمرانی کا ایک سنگِ بنیاد ہے، جو قرآن کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل میں گہرائی تک سرایت کرتا ہے۔ یہ مطالعہ شوریٰ کے تاریخی ارتقاء کی کھوج کرتا ہے، جس کا آغاز مدینہ میں ابتدائی اسلامی ریاست سے ہوا، جہاں فیصلہ سازی اجتماعی حکمت اور باہمی معاہدے پر مبنی تھی۔ اس میں مزید جانچ پڑتال کی گئی ہے کہ اسلام میں حکمرانی کی شراکتی نوعیت پر زور دیتے ہوئے، صحیح رہنما خلفاء کے دور میں اس اصول کو کس طرح ادارہ جاتی شکل دی گئی۔ جدید تناظر میں، پاکستان کا جمہوری نظام اپنے دو ایوانی پارلیمانی نظام کے ذریعے شوریٰ کے عناصر کو مجسم کرتا ہے، جس میں قومی اسمبلی اور سینیٹ شامل ہیں۔ تاہم، مطالعہ پاکستان میں مشاورتی طرز حکمرانی کے عملی اطلاق میں اہم چیلنجوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان میں سیاسی عدم استحکام، شفافیت کا فقدان، بدعنوانی، افسر شاہی کی نااہلی اور فیصلہ سازی کے عمل پر اشرافیہ کا تسلط شامل ہیں۔ عوامی نمائندگی کو یقینی بنانے والی آئینی دفعات کے باوجود، فیصلہ سازی کے عمل میں اکثر عوام کی حقیقی شرکت کا فقدان ہوتا ہے، جو شوریٰ کے اصل جوہر سے ہٹ جاتا ہے۔ تحقیق اس بات پر زور دیتی ہے کہ شوریٰ پر مبنی گورننس ماڈل انصاف، شمولیت اور اجتماعی ذمہ داری کو فروغ دے کر گورننس کو نمایاں طور پر بہتر بنا سکتا ہے۔ یہ اسلامی مشاورتی اصولوں اور جمہوری نظریات کے درمیان مماثلتیں کھینچتا ہے، یہ دلیل دیتا ہے کہ شوری کے طریقوں کو مضبوط بنانے سے عوامی اعتماد میں اضافہ، بہتر پالیسی کے نتائج کو یقینی بنایا جاسکتا ہے، اور حکمرانی سے متعلق تنازعات کو کم کیا جاسکتا ہے۔ مطالعہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا

کہ ادارہ جاتی اصلاحات، عوامی شرکت میں اضافہ، اور اخلاقی حکمرانی کے طریقوں کی پابندی پاکستان کے سیاسی منظر نامے میں شوریٰ کی حقیقی روح کو مربوط کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ اپنے حکمرانی کے نظام کو اسلامی مشاورتی اخلاقیات کے ساتھ ہم آہنگ کرکے، پاکستان مذہبی اصولوں اور جدید جمہوری فریم ورک کے درمیان فرق کو ختم کر سکتا ہے، جس سے ایک زیادہ شفاف، جوابدہ اور انصاف پسند معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔

سفارشات اور تجاویز

ادارہ جاتی اصلاحات

فیصلہ سازی میں شفافیت اور جوابدہی کو یقینی بنا کر جمہوری اداروں کو مضبوط کرنا۔

مشاورتی اداروں میں سیاسی مداخلت کو روکنے کے لیے قانونی اقدامات کو نافذ کریں۔

اسلامی اخلاقی رہنما خطوط

اس بات کو یقینی بنائیں کہ حکمرانی اسلامی مشاورتی اخلاقیات کے مطابق ہو، انصاف، مساوات اور اجتماعی ذمہ داری کو فروغ دیں۔

اخلاقی اور مذہبی معاملات پر پالیسی سازوں کی رہنمائی کے لیے شوریٰ پر مبنی مشاورتی کونسل تیار کریں۔

شفافیت اور احتساب

حکومتی فیصلوں کی نگرانی اور بدعنوانی کو روکنے کے لیے خود مختار نگران ادارے قائم کریں۔

قیادت کو جوابدہ بنانے میں میڈیا اور سول سوسائٹی کے کردار کو مضبوط بنائیں۔

تعلیم اور آگاہی

شہریوں کو شوریٰ اور جمہوری طرز حکمرانی سے آگاہ کرنے کے لیے نصابی اصلاحات متعارف کروائیں۔

مشاورتی حکمرانی کے موثر اطلاق پر پالیسی سازوں کے لیے ورکشاپس اور تربیتی سیشنز کا انعقاد۔

عدالتی اور قانون سازی کی مضبوطی

منصفانہ اور مشاورتی فیصلہ سازی کو یقینی بنانے میں عدلیہ کے کردار کو بڑھانا۔

قومی پالیسیوں پر مزید جامع اور کھلے مباحثے کی اجازت دینے کے لیے پارلیمانی طریقہ کار میں اصلاحات کریں۔

ان سفارشات پر عمل درآمد کرکے، پاکستان اسلامی اصولوں اور جمہوری طرزِ حکمرانی کے درمیان فرق کو ختم کر سکتا ہے، ایک ایسے نظام کو فروغ دے سکتا ہے جو منصفانہ، جامع اور شراکت دار ہو۔